اجتہاد اور دورِ جدید کے تقاضے (پاکستان کے تناظر میں)

Ijtihad and the requirements of modern age (In the context of Pakistan)

Dr. Amin Ali
PhD Arabic, NUML
E-mail: alimudassir1984@gmail.com Orcid: https://orcid.org/0000-0001-7543-9489

Dr. Syed Yasir Ali
Lecturer, Arabic Department
National University of Modern Languages – Islamabad
E-mail: syali@numl.edu.pk Orcid: https://orcid.org/0000-0002-2801-4020

Abstract

. Islam is not only a complete code of life, but also provides a complete guidance material for the newly emerging problems of today's life. Islam has not only allowed the jurists of the Ummah to carry out reliability, speculation and ijtihad after the Book of Allah, the Sunnah of the Messenger of Allah ﷺ and the consensus of the Companions, keeping in mind the same principles and skills, but has also declared it a recommended practice from the point of view of Shari'ah necessity.

The meaning of Ijtihad is to exert one's utmost effort and energy to obtain the dominant opinion about something from the rules of the Shari'ah to the extent that no further consideration is possible. So Ijtihad is: The effort of a mujtahid to search for Shari'ah rulings by deriving the rulings of the Shari'ah is called ijtihad.

The purpose of the said effort is to guide the way towards the solution of the problems encountered in the modern era in the light of Ijtihad and its reality and necessity under the shadow of Ijtihad principles and rules of aimam Arbaa (four imams).

Keywords: *Shari'ah, Itjihad, Islamic Fiqh, Modern age, Pakistan.*

مقدمہ:

اسلام ایک نہ صرف ایک مکمل ضابطہ حیات ہے بلکہ دورِ حاضر کے نت نئے پیش آمدہ مسائل کے لئے مکمل راہنمائی کا سامان بھی مہیا کرتا ہے، عہد نبوی سے ہی کئی ایک مثالیں موجود ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے اور مشورے کو قبول فرمایا، اسلام نے فقہائے امت کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد انہی اصولوں اور مہارتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اعتبار، قیاس اور اجتہاد کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ ضرورت شرعیہ کے اعتبار سے ایک مستحسن عمل بھی قرار دیا ہے، مذکورہ کاوش کا مقصد اجتہاد اور اسکی حقیقت وضرورت کی روشنی میں ائمہ اربعہ کے اجتہادی اصول و قواعد کے سائے میں دور جدید میں پیش آمدہ مسائل کے حل کی کوشش کی طرف راہنمائی مقصود ہے۔

اجتہاد:

یہ لفظ اگرچہ کوشش، سعی اور جدوجہد کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے مراد وہ سعی و کوشش ہوتی ہے جو مشقت سے بھرپور اور قوت و طاقت صرف کرنے کے بعد حاصل ہو، یہ سعی و کوشش فی نفسہ اگرچہ تھکا دینے والی ہوتی ہے لیکن اس کے ثمرات کے طور پر فکر و عمل کی دشواری سے نکلنا ممکن ہو سکتا ہے، فقہائے کرام کی اصطلاحات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ کسی بھی شرعی حکم کو۔ جو کہ ادلہ شرعیہ میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ معلوم کرنے کے لئے فکر و استنباط کی صلاحیتوں کو امکانی حد تک استعمال کرنے کا نام اجتہاد ہے۔ فقہائے کرام کی چند ایک مشہور و معروف تعریفات درج ذیل ہیں۔

"بذل المجتهد وسعه في طلب العلم بالأحكام الشرعية بطريق الاستنباط."[(1)]

ترجمہ: کسی مجتہد کا شرعی احکام کی تلاش میں احکامِ شرعیہ کے استنباط کے طریقے سے اپنی مقدور بھر کوشش کرنا (اجتہاد کہلاتا ہے)۔

علامہ شوکانی۔ رحمہ اللہ۔ اجتہاد کے عام معانی ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"کسی بھی کام کے حصول کے لیے مقدور بھر کوشش کرنا اجتہاد ہے۔"[(2)]

انہیں معانی کو وضاحت سے علامہ آمدی۔ رحمہ اللہ۔ کچھ یوں نقش قرطاس بناتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"اجتہاد کے معنی احکام شرعیہ میں سے کسی چیز کے بارے میں ظنِ غالب کو حاصل کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کرنے اور طاقت صرف کرنے کے ہیں اس حد تک کہ اس پر اس سے زیادہ غور و فکر ممکن نہ ہو۔"[(3)]

ان تمام تعریفوں کو مدِ نظر رکھ کر استنباط کے حوالے سے چند ایک چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں۔

ا۔ مجتہد کو استنباطِ احکام میں اپنی سی ممکنہ کوشش اور سعی صرف کرنی چاہئے جس کے بارے میں اس کا اپنا گمان اور ظنِ غالب بھی یہ ہو کہ اس سے زیادہ کی کوشش اس کے بس میں نہیں اور یہی اس کی سعی کا نتیجہ اور نچوڑ ہے۔

ب۔ اس سعی اور کوشش کرنے والے کا اصطلاحی معانی کے اعتبار سے مجتہد ہونا بھی ضروری ہے۔ غیر مجتہد کی سعی و کوشش چاہے جیسی بھی اور جتنی بھی ہو، اس دائرہ کار سے خارج شمار ہو گی۔ کیونکہ اجتہاد کے لئے اس شخص کا شرائط پر پورا اترنا ضروری ہے۔

ج: اس سعی و کوشش کی غرض و غایت شریعت مطہرہ کے عملی احکام سے واقفیت ہو، اگر عقلی یا حسی احکام سے واقفیت کے لئے کوشش صرف کی جائے تو فقہائے کرام کی مروجہ اصطلاح میں اسے اجتہاد نہیں کہا جائے گا۔

د: استنباط کا جو طریقہ کار، جو اصول و ضوابط اور جو حدود و قیود فقہائے امت نے مقرر کی ہیں، اجتہاد انہیں قواعد کو مدِ نظر رکھ کر کیا جائے وگرنہ یہ کوشش و سعی اجتہاد کی اصطلاح سے خارج ہو جائے گی۔

ان تمام جزئیات کا لحاظ رکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے اجتہاد فقہاء کی حقیقت اور ماہیت کا نقشہ کچھ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"اجتہاد کی حقیقت یہ ہے کہ: شریعت کے فروعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے سمجھنے کے لئے پوری محنت کا صرف کر دینا، جن دلائلِ تفصیلیہ کا مرجع کل چار اصول ہیں- کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اجماع اور قیاس- اس تعریف سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اجتہاد اس سے عام ہے کہ: وہ اسی حکم کے معلوم کرنے میں امکانی کوشش اور محنت کامل صرف کرتا ہو چاہے جس میں علمائے سلف کلام کر چکے ہوں یا نہ کر چکے ہوں، مجتہد اپنے اس اجتہاد میں علمائے سلف کا موافق ہو یا مخالف، اور نیز اس سے عام ہے کہ یہ اجتہاد کسی دوسرے کی مدد سے ہوا ہو، مثلاً: کسی نے مسائل کی صورتوں کو بنادیا ہو یا مصادرِ احکام پر تفصیلی دلائل سے اشارہ کر دیا ہو، یا کسی دوسرے کی مدد سے نہ ہوا ہو۔"(4)

شرائط اجتہاد:

مندرجہ بالا تعریفات میں بارہا کچھ ایسی مخصوص شرائط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اجتہاد کے لئے ضروری ہیں اور جن کے بغیر اجتہاد قابل قبول نہیں ہو سکتا یوں تو فقہائے امت نے مجتہد کی بہت سی شرائط ذکر کی ہیں جن کے احاطے کے لئے ایک الگ مقالے کی ضرورت ناگزیر ہے لیکن ان میں سے چند متفقہ اور اہم شرائط کا ذکر ذیل میں اجمالا کیا جاتا ہے۔

شرط اول: عربی زبان وعلوم عربیہ میں مہارت: چونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قانون اور اصول کو سمجھنے کے لئے اس قانون کی بنیادی زبان پر دسترس ضروری ہے، عربی زبان ایک قدیم زبان ہے جس کے محاورات، روز مرہ اور ضرب الامثال کا ایک وسیع ذخیرہ ہے جسے احاطہ تحریر میں لانا اگر ایک ناممکن کام نہیں تو ایسا مشکل کام ضرور ہے جس کے لئے شبانہ روز انتھک محنت کی ضرورت ہے، نیز قرآن وحدیث فصاحت وبلاغت کا وہ بحر بیکراں ہے جو محنت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کی خصوصی عطا کے بغیر سمجھنا ہر کس وناکس کے بس کا روگ نہیں، تبھی مجتہد کے لئے بنیادی نحو وصرف کے ساتھ ساتھ علوم بلاغت اور عربی زبان کے اسالیب اور ادب کی شد بدھ بھی از حد ضروری ہے۔

شرط ثانی: علوم قرآن کا جاننا: مجتہد کے لئے بنیادی شرائط میں سے علوم قرآنی میں مہارت ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم ہی اجتہاد کا بنیادی مآخذ ہے، آیاتِ کلام پاک سے آگاہی، احکام سے متعلق آیات کا احاطہ، ناسخ منسوخ کا علم اور آیات قرآنی کے واقعات اور اسبابِ نزول کا جاننا ایک اہم شرط ہے۔

شرط ثالث: سنت شریفہ کا علم: حدیث مبارک چونکہ قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے اسی لئے مجتہد کے لئے اصول حدیث کا علم ایک بنیادی شرط ہے اسے حدیث مبارک کے مراتب، اسماء رجال، حدیث مبارک کی اقسام اور مدارج،

احادیث مبارک کے اسباب ورود، قولی، فعلی اور تقریری احادیث میں تفریق اور صحیح اور ضعیف احادیث کا بنیادی علم ہونا ضروری ہے، تمام احادیث مبارکہ یا ان میں سے اکثر کا حفظ کرنا ضروری نہیں۔

شرط ثالث: علم اصولِ فقہ: مجتہد تبھی اجتہاد کر سکتا ہے جب اسے اصول فقہ میں مہارت ہو، کیونکہ اجتہاد کے لئے ادلہ شرعیہ، انکے مصادر و مآخذ اور انکی باہمی ترتیب کا جاننا مجتہد کے لئے ناگزیر ہے ان سب کے جاننے سے مجتہد کے لئے احکام کو مستنبط کرنا اور انکے مقدم و مؤخر کا جاننا آسان ہو جاتا ہے۔

شرط رابع: اجماع کے مواقع کا علم: جن مسائل میں پہلے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا فقہائے امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے نہ صرف ان مواقع کا علم مجتہد کے لئے از حد ضروری ہے بلکہ اس کا قطعی ثبوت بھی ناگزیر ہے تاکہ وہ ان سے مسائل میں جدید اجتہاد سے گریز کرے۔

شرط خامس: مقاصدِ شریعت اور مصلحتوں کا ادراک: اجتہاد کی بنیادی شرائط میں سے مقاصدِ شریعت کا جاننا، احکام کی علتوں کا ادراک اور عوام الناس کی مصلحتوں سے آگاہی بھی ضروری ہے نیز لوگوں کے عرف اور علاقائی رسم و رواج سے واقفیت بھی ضروری ہے، چونکہ شریعت مطہرہ نے لوگوں کی مصالح کی رعایت رکھنے کا حکم دیا ہے اور عادات، عرف اور رسم ورواج کے بغیر ان مصالح کی رعایت ممکن نہیں ہے تبھی ان کا ادراک ناگزیر ہے۔

شرط سادس: اجتہاد کی فطری استعداد اور قابلیت: اجتہاد کے لئے سب سے اہم اور بنیادی شرط فطری استعداد ہے، یہی اجتہاد کے لئے اساس ہے، جب تک مجتہد میں فطری استعداد نہ ہو تو باقی تمام شرائط پر پورا اترنے کے باوجود وہ اجتہاد کا اہل نہیں ہو سکتا۔(5)

ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد:

ائمہ اربعہ —امام ابو حنیفہ، امام مالک بن انس، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ- نے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کن اصول وادلہ شرعیہ کو فوقیت اور تطبیق دیکر دیگر ائمہ سے جدا اپنی رائے قائم کی، یہاں زمانی ترتیب کے اعتبار سے ان اصول اور قواعد کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

امام اعظم نعمان بن ثابت -رحمہ اللہ- کے اصول اجتہاد: اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ فقہی اصول و قواعد کو قائم کرنے اور ان کو منظم کر کے مربوط کرنے کا سہرا امامِ اعظم -**رحمہ اللہ**- کے سر ہے، امام صاحب نے نقلی دلائل پر دسترس حاصل کر کے عقلی ادلہ کو ترتیب دیکر اجتہاد کی راہ ہموار کی جو کہ بعد میں آنے والے فقہائے کرام کے لئے مشعل راہ بنی، لہذا یہ کہنا حق بجانب ہو گا کہ تمام مجتہدین نقلی ادلہ سے کام لینے میں امام صاحب کے خوشہ چیں ہیں، اصول اجتہاد کی وضاحت خود امام اعظم کے الفاظ میں کچھ یوں ہو گی:

"میں سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں، اگر وہاں مذکورہ مسئلہ کا کوئی حکم نہیں ملتا تو پھر سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کرتا ہوں، اگر — تلاشِ بسیار کے بعد - ان دونوں مصادر میں بھی حکم نہیں ملتا تو پھر اس صورت میں اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تلاشتا ہوں، جس صحابی کا کوئی قول حسب موقع ہوتا ہے اسے لے لیتا ہوں، اگر موقع محل کے مطابق نہیں ہوتا تو چھوڑ دیتا ہوں - حتی الامکان اقوال صحابہ کے دائرے سے باہر قدم نہیں رکھتا- لیکن جب معاملہ صحابہ کرام سے نکل کر فقہائے کرام — ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، عطاء اور سعید بن مسیب رحمھم اللہ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر بات یہ کہ یہ لوگ بھی اجتہاد کرتے ہیں اور میں بھی ان کی طرح اجتہاد کرتا ہوں — سو پھر میں اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہوتا ہوں-"(6)

امام صاحب کے مناقب پر لکھی گئی تصنیف میں علامہ مکی - رحمہ اللہ - کچھ یوں رقم طراز ہیں جس سے امام صاحب کے اصول کی وضاحت ہو جاتی ہے:

"امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کتاب اللہ کے بعد متفق علیہ حدیث کو تلاش کرتے، حدیث نہ ملتی تو قیاس سے کام لیتے، اس کے بعد استحسان کو کام میں لاتے، حل مسائل کے لئے جمہور مسلمین کے عرف اور تعامل سے مدد لینے میں تامل نہ کرتے، قیاس اور استحسان میں سے جو مصلحتِ عامہ کے لئے زیادہ مفید ہوتا اسے اختیار کرتے، لوگوں کے معاملات اور مسائل پر انکی گہری نظر تھی، وہ ہمیشہ ان کی سہولت اور فلاح کے لئے کوشاں رہتے اور امکانی حد تک قباحت اور دشواری سے گریز کرتے تھے۔"(7)

امام دار الھجرۃ مالک بن انس رحمہ اللہ کے اصولِ اجتہاد: امام مالک نہ صرف فقہ اسلامی میں ایک اعلی مقام کے حامل ہیں بلکہ وہ علوم حدیث میں فقہی مباحث کے بانی بھی ہیں، وہ محدث اور فقیہ دونوں مسلمہ حیثیتوں کے حامل ہیں، انہوں نے اصول اجتہاد پر الگ سے کوئی تصنیف ترتیب نہیں دی تھی کچھ حضرات انہیں اصلاحی معنوں میں اہل الرائے میں شمار کرنے میں تذبذب کا شکار ہوئے اسکی وضاحت خود انکے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"رائے سے مراد اپنی رائے قطعی طور پر نہیں، بلکہ اس سے مراد ان اہل علم وفضل اور قابل اقتداء ائمہ کرام سے سماع ہے، جن سے میں نے علم حاصل کیا، ایسے بزرگوں کے علم کو میں نے اپنی رائے سے تعبیر کیا ہے، در حقیقت ہم نے یہ رائے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے وراثتاً پائی ہے - چنانچہ یہ صرف میری رائے نہیں ہے بلکہ ائمہ سلف رحمھم اللہ کی رائے ہے - جب میں کسی مسئلے میں (الأمر المجتمع علیه) کہتا ہوں تو اس سے مراد وہ قول ہوتا ہے جس پر اہل علم وفقہ کا بغیر کسی اختلاف کے اجماع ہو، نیز جب میں (الأمر عندنا) کہتا ہوں تو اس سے مراد وہ بات ہوتی ہے جس پر ہمارے ہاں لوگوں کا عمل ہو، جس کے مطابق احکام جاری ہوتے ہوں نیز جسے عالم اور جاہل سب جانتے ہوں، جس معاملے کے بارے

میں میں (ببلدنا) استعمال کرتا ہوں تو اس سے مراد وہ مسئلہ ہوتا ہے جسے میں اقوال علماء کرام میں پسند کرتا ہوں، سو میں اپنے اجتہاد میں اہل مدینہ کی رائے سے باہر قدم نہیں نکالتا۔"[8]

امام مالک –رحمہ اللہ- دیگر مجتہدینِ عظام کی طرح کتاب اللہ کو سب سے مقدم رکھتے ہیں، پھر سنت رسول ﷺ میں اصولیین کے طریقہ کار کے مطابق مدارج کو ملحوظ رکھتے ہیں، پھر ان کے نزدیک اہل مدینہ کے اجماع کو دیگر فقہاء کے اجماع پر فوقیت حاصل ہے اور آخر میں قیاس کا درجہ آتا ہے، امام مالک -رحمہ اللہ- قرآن وحدیث میں بھی مدارج کے قائل ہیں انکے نزدیک سب سے مقدم نصوص، پھر ظواہر اور آخر میں مفاہیم کا درجہ آتا ہے۔

کچھ حضرات مالکیہ نے امام مالک کے اصول کی ترتیب کچھ یوں ذکر کی ہے:

1: کتاب اللہ، 2: سنتِ رسول اللہ، 3: اجماع، 4: اجماع اہل مدینہ،
5: قیاس، 6: قول صحابی، 7: مصلحت مرسلہ، 8: عرف،
9: سد ذرائع، 10: استصحاب 11: استحسان۔

امام شافعی -رحمہ اللہ- کے اصول اجتہاد: امام شافعی -رحمہ اللہ- بھی حدیث اور فقہ دونوں میں کامل دسترس کے حامل تھے، انہوں نے اصول حنفیہ اور مالکیہ کا بنظرِ غایر مطالعہ کیا اور انہی اصولوں کو مد نظر رکھ کر اصول و قواعد ترتیب دئے، انہوں نے اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب بھی تالیف کی[9] جس میں کلیات اور جزئیات کو کماحقہ ذکر کیا البتہ حنفی ومالکی مسلک سے ہٹ کر انہوں نے کچھ ذیلی قواعد بھی مرتب کئے جن کا اجمالا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

اول: چونکہ حنفی اور مالکی فقہاء دو قسم کی احادیث مبارکہ –حدیث مرسل[10] وحدیث منقطع[11]- سے استناد کرتے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس روِش سے ہٹ کر یہ اصول مقرر کیا ایسی احادیث پر مطلقا عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر ان احادیث کے اندر مخصوص شرائط پائی جائیں تبھی عمل کیا جائے گا۔

دوم: سنت کہلانے کے قابل صرف وہ احادیث شریفہ ہونگی جن کی سند راوی سے رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو نیز وہ حدیث صحیح بھی ہو۔

سوم: اخبار احاد اگرچہ احادیث میں شمار ہوتی ہیں لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں یہ اجماع سے عمل میں مؤخر ہونگی۔

چہارم: احادیث مبارکہ کے ظاہر معانی پر عمل کیا جائے گا، اگر کسی حدیث مبارک میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہو تو ظاہر سے جو معنی زیادہ مشابہ ہو وہ قابل عمل اور مراد ہوگا۔

پنجم: اگر کسی مسئلے میں احادیث مبارکہ متعارض ہو جائیں تو اسی حدیث پر عمل کیا جائے گا جسکی سند دوسری کے مقابلے میں قوی اور متصل ہو۔

ششم: ہر اصل مستقل ہوتا ہے لہذا کسی اصل کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جائے گا، نیز اصل میں وجود کے اسباب نہیں تلاشے جائیں گے، اسبابِ وجود فرع میں تلاش کیے جائیں گے، صرف اسی فرع سے استدلال ہو گا جس کا قیاس اصل پر درست ہو۔

ہفتم: سبب نزول نص کے حکم میں داخل ہو گا، جس واقعے اور موقع محل کے بارے میں وہ نص وارد ہوئی ہے حکم اس واقعے کو ضرور شامل ہو گا، اگر اس میں عموم ہو تو غیر سبب نزول بھی اس نص میں شمار ہو سکتا ہے، مگر سبب نزول، حکم نص میں ضرور داخل ہو گا۔

امام احمد بن حنبل -رحمہ اللہ- کے اصول اجتہاد: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فقہائے کرام میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں ان کے تفقہ پر اشتغال بالحدیث کا رنگ غالب تھا، وہ اکثر وہ بیشتر ان حدود پر رک جایا کرتے تھے جنہیں دیگر فقہاء کرام بے دھڑک پار کر جایا کرتے تھے، تبھی ان کے اقوال ایک سے زیادہ ہیں کہ انہیں ان حدود کو پار کرنے میں تردد کا سامنا ہوتا تھا تبھی انکے بارے میں فقہاء کرام کا قول ہے کہ وہ ایک محدث ہیں نہ کہ فقیہ یہاں تک کہ علامہ ابن جریر طبری نے اپنی شہرہ آفاق کتاب –اختلاف الفقہاء– میں امام صاحب کا فقہی مسلک تک ذکر نہیں کیا[(12)]۔ قاضی عیاض نے بھی یہی فرمایا کہ: وہ فقیہ نہیں تھے کیونکہ فقہی مآخذ پر انکی نظر گہری اور وسیع نہیں تھی۔[(13)]، اسکی ایک بنیادی وجہ وہی ہے جسے علامہ ابن قیم -رحمہ اللہ- کہ وہ حدیث کے علاوہ دوسرے کسی علم میں الگ سے تصنیف کو خود کے لئے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے تبھی وہ اس کے درپے نہیں ہوئے[(14)]، حدیث میں انکی شہرہ آفاق کتاب مسند امام احمد[(15)] مرجع خلائق ہے۔

امام احمد بن حنبل -رحمہ اللہ- کے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ انکے فقیہ ہونے کے بارے میں انکے معاصرین بلکہ ان کے اساتذہ تک قائل ہیں جن میں سے امام شافعی، امام نسائی، امام اسحاق بن راھویہ، امام ابن ابی حاتم، امام عبد الرزاق اور احمد بن سعید -رحمہم اللہ- وغیرہ قابل ذکر ہیں، جن کی تصریحات مسند احمد بن حنبل کے مقدمے میں موجود ہیں،[(16)] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی– بھی اپنی شہرہ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں واشگاف الفاظ میں رقمطراز ہیں:

"احمد بن حنبل -رحمہ اللہ- وسعت روایتیم مراتب حدیث کی پہچان اور فقہ واجتہاد کے میدان میں بہت بلند مرتبے پر فائز ہیں۔"[(17)]

ذیل میں امام صاحب کے چیدہ چیدہ اصول اجتہاد کا ذکر کیا جاتا ہے:

اول: امام احمد بن حنبل -رحمہ اللہ- کا پہلا اصول تقدیم نص کا ہے، امام صاحب نص چاہے وہ قرآن کریم سے ہو یا سنت سے اسے وہ اقوال صحابہ -رضی اللہ عنہم- اور ان کے فتاوی سے مقدم رکھتے ہیں۔

دوم: فقہ حنبلی کا دوسرا اصول صحابی کا فتوی ہے اگر ان کو کسی صحابی کو فتوی یا قول مل جائے نیز اس مسئلے میں نص موجود نہ ہو تو وہ صحابی کے فتوی اور قول کو مقدم رکھتے ہیں۔

سوم: صحابہ کرام۔رضی اللہ عنھم۔کے مختلف فیہ اقوال کی صورت میں وہ اس قول کو لیتے جو قرآن و سنت کے زیادہ قریب تر ہو ان تمام اقوال کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی رائے قائم نہیں فرماتے تھے۔

چہارم: فقہ حنبلی کا چوتھا اصول حدیث مرسل اور حدیث ضعیف سے استنباط ہے، اگر کسی مسئلہ میں حدیث مرسل یا ضعیف[(18)] کے علاوہ کوئی دلیل نہ ہو نیز اسی مذکورہ مسئلہ میں ان کے خلاف بھی کوئی دلیل نہ ہو تو اس صورت میں وہ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو قابلِ عمل سمجھتے تھے، انہیں چھوڑ کی قیاس کی طرف پیش قدمی نہیں کرتے تھے۔

پنجم: فقہ حنبلی کا آخری اور پانچواں اصول قیاس ہے، جب انہیں نص، قول صحابی، یہاں تک کہ حدیث مرسل یا ضعیف نہیں ملتی تو مجبوراً انہیں قیاس کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔

دورِ جدید اور اجتہاد:

جدید دور کے اہم اعتراضات میں سے ایک بڑا اعتراض علماء امت کے حوالے سے یہی ہے کہ انھوں نے اجتہاد کی راہیں مسدود کر دی ہیں اور امت مسلمہ کی ترقی کو جمود اور سست روی کا شکار بنا دیا ہے، یہ اعتراض اگرچہ عناد اور الفاظ کی ملمع سازی کے علاوہ اور کچھ نہیں جس میں تحقیقی بات یہی ہے کہ دورِ جدید میں اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت سے انکار کسی صورت ممکن نہیں کیونکہ اب کی دنیا اور قدیم دور میں واضح فرق موجود ہے، لیکن کیا اجتہاد مطلقاً اصطلاحی معنوں میں وہی اجتہاد ہے جو کہ خیر القرون سے لیکر ابتدائی دو تین صدیوں تک تھا؟

اس میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ مختلف فقہی مکاتبِ فکر نے اجتہاد کے جو مسلمہ اصول، قواعد اور شرائط مقرر کر دیں تھیں وہی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی تھیں، لہذا ضرورت کے پورا ہونے سے یہ دروازہ خود بخود بند ہو گیا اس میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں رہا، البتہ کسی بھی مملکت کی قانون سازی کے لئے جن مسائل کے استنباط کی ضرورت پیش آئی یا جدید پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی جو طلب ہوئی تو اس کے لئے پرانے طے شدہ مسلمہ اصول کو سامنے رکھ کر انہی کے طرز پر جدید دور کے مسائل کا حل بھی تلاشا گیا اور پرانے فقہی فتاوی اور آسانی کے لئے نظر ثانی کا عمل بھی جاری ساری رہا، نیز یہ بات بھی قابل غور طلب ہے کہ اب افتا کی ضرورت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سرکاری دائرہ کار سے نکل کر عوامی دائرہ کار میں داخل ہو چکا ہے، آج بھی علماء نہ صرف جدید مسائل کا سامنا کرتے ہیں بلکہ شریعتِ مطہرہ کے مقررہ اصول کی روشنی میں ان کا حل پیش کر کے امتِ مسلمہ کی راہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔

ہم مملکت خداداد پاکستان کو بطور مثال پیش کر سکتے ہیں کہ آزادی کے بعد اسلامی نظام کا نفاذ اور اس میں مختلف مکاتبِ فکر کے چیدہ چیدہ 31 علماء کرام کی شرکت اور پھر ان کا 22 متفقہ دستوری نکات پیش کرنا خود اپنی ذات میں ایک مکمل اجتہادی عمل کا نہ صرف آئینہ دار ہے بلکہ امت مسلمہ کے اتفاق کا مظہر بھی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب علماء کرام نے محسوس کیا کہ ان 22 دستوری نظام میں تبدیلی کی گنجائش ہے جو کہ جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو تو ہم 1973ء کے آئین سازی کی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ اس میں نہ صرف ملکی نظام کو یکسر تبدیل کر دیا اور وحدانی طرز حکومت کے بجائے وفاقی پارلیمانی نظام کو جدید اجتہادی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ اس دستور کی جزئیات میں تبدیلی اور قومی و ملی تقاضوں کو پاس رکھنا ایک اجتہادی عمل کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

البتہ ہم چند باتوں کا نہ صرف اعتراف کریں گے بلکہ موجودہ دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ اہم سفارشات پیش کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ:

اول: تقدیری فقہ جو ہمارے علماء و مجتہدین کی پہچان تھی اب اس کی طرف کسی بھی مکتبِ فکر کی توجہ نہیں، ایسے نظام کی ضرورت ہے جس میں نہ صرف روزمرہ ضروریات کا سرگرمیوں کا ادراک اور پیش آمدہ مسائل کو تشفی حل موجود ہو بلکہ اس میں امکانی مسائل کا تعین اور ان کے حل کی کاوش کا بھی عمل دخل ہو۔

دوم: سرکاری سطح اور پلیٹ فام کے علاوہ ملی و قومی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے غیر سرکاری سطح پر بھی علماء کا مل بیٹھ کر مشترکہ طور پر پیش آمدہ مسائل کا متفقہ حل تلاشنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

سوم: فقہ اسلامی کو جدید دور سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اجتماعی طور پر اس پر نظر ثانی کرنا، جدید عرف و عادات اور حالات کی روشنی میں از سر نو وضاحت ناگزیر ہے۔

چہارم: مآخذ اجتہاد اور متعلقہ علوم ضروریہ پر دسترس کے ساتھ ساتھ حالات اور واقعات پر انکی تطبیق اور مقام و محل کا یکساں ادراک اور آگہی جدید دور کا ایک اہم تقاضا ہے۔

پنجم: اجتہاد کے لئے ایک مربوط نظام وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، اس مد میں کسی فرد یا ادارے کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی کرنی چاہئے، نیز ایک ایسا خود کار طریقہ کار وضع کرنا چاہئے جس میں پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر کرنے کے ساتھ غیر روایتی حلقوں سے بھی بھرپور استفادہ کرنا چاہئے اور اپنی گم گشتہ میراث کے حصول میں جہاں سے بھی میسر ہو کوئی جھجک نہیں محسوس کرنی چاہئے۔

ششم: چونکہ دنیا ایک عالمگیر گاؤں کی صورت اختیار کر گیا ہے اور وسائلِ نقل و حمل کی جولانیاں اپنے عروج پر ہیں لہذا وقت کا تقاضا ہے کہ مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کو فروعی اختلافات کے باوجود اتفاق و اتحاد کا دامن ہاتھ سے

نہیں دینا چاہئے اور ایک ساتھ عبادات، معاشرت اور معیشت کے فروغ کے لئے ایک مشترکہ پلیٹ فارم فراہم کرنا چاہئے۔

ہفتم: نہایت افسوس سے کہناپڑ رہاہے کہ موجودہ دور امت مسلمہ کے لئے کٹھن دور ہے جس میں تعصب کی بنیادپر روزبروزانہیں نت نئے تجربات سے گزارا جاتاہے اور مسلمہ اصول وفروع میں عالمی اداروں کی جانب سے نہ صرف مخالفت کی جاتی ہے بلکہ ان پر قوانین کی تبدیلی یاپھر اس میں شقیں ڈالنے پر دباؤڈالا جاتاہے، اس حوالے سے علماء وفقہاء کا ایک ایسامشترکہ گروہ ناگزیر ہے جوان اصول وفروع کے حوالے سے نہ صرف دفاع پر کمربستہ ہوں بلکہ ان معترضہ نکات کا جائزہ لیکر اقوام متحدہ یاعالمی انسانی حقوق کے اداروں کے اعتراضات کا تشفی جواب، قانونی زبان میں اسلام کے موقف کی وضاحت اور متبادل نظام بھی پیش کرسکیں۔

ہشتم: دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ، عالمگیر سوچ کے حامل اور اجتماعی نظام کے ماہرین علمائے کرام و فقہائے عزام کوایک تقاضے میں بھرپور کوشش کرنی چاہئے کہ ایسی پود تیار ہوسکے جس سے فقہ اسلامی کے گلشن میں بہارِنو کاسماں ہواور بین الاقوامی کشمکش، تہذیبوں کا ٹکراؤ، تعصب، نظریاتی اختلافات میں جدید دور کے اسالیب کو مدنظر رکھ کرنہ صرف واشگاف الفاظ میں اظہارِرائے کیاجاسکے بلکہ مشترکہ تگ ودو کی راہیں بھی ہموار ہوسکے۔(19)

نہم: ذرائع ابلاغ تک مکمل رسائی اور ان کو بروئے کار لانے کا مثبت پہلو وقت کاایک اہم تقاضاہے جس سے ہم مغربی ممالک کے مقابلے میں کوسوں دور ہیں، مغربی فکر و فلسفہ اور اس سے متاثرہ مشرقی اقوام کے اسالیب کو مدنظر رکھ کرہی ان کے اعتراضات کا صحیح ادراک اور ان کو اپنا موقف سمجھانا اجتہاد جدید کاایک اہم پہلو سے جسے قطع نہیں کیاجاسکتا۔

اجتماعی اجتہاد کی ضرورت اور دورِ جدید کے تقاضے:

عوامی حلقوں اور کچھ معترضین کی جانب سے علماء کرام کو موردالزام ٹھہراکر یہ اعتراض بارہا کیا جاتاہے کہ ابتدائی تین یاچار صدیوں کے بعد اجتہاد کادروازہ بند کردیا، یہ کج فہمی یاغلط فہمی دراصل ان تمام مراحل اور مدارج سے لاعلمی کی وجہ سے رونماجوکہ علوم وفنون کی تدوین اور تشکیل کی تاریخ سے بے خبر رہنے کی وجہ سے ہے، حلانکہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوااگرچہ اس بات سے انکار نہیں کہ اس میں کمزوری ضرور واقع ہوئی ہے۔

اجتہاد کی تدوین اور تشکیل کا عمل چونکہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکاہے اصول، قواعد وضوابط وضع ہوچکے ہیں انہی اصول اور قواعد پر نئے مسائل کا استنباط کیا جاتاہے لہذا اب مجتہد مستقل (مجتہدِ مطلق) کی ضرورت باقی نہیں رہی، اس اعتبار سے صرف اجتہاد کے نئے بنیادی اصول اور قواعد وضوابط کا دروازہ توبند ہواہے لیکن اجتہاد کا دروازہ مسائل کے استنباط، ترمیم، اضافہ اور اضافی قواعد کی تدوین کے لحاظ سے ہمیشہ کھلاہے۔

اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں اور حالات کے بدلتے رنگوں کو بنظرِ غایر دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آج کل روز افزوں نت نئے پیش آمدہ مسائل اور ان کے استنباط و اجتہاد کے درمیان ایک دوری اور خلیج واقع ہوئی ہے جس کے چند اہم اسباب درج ذیل ہیں:

اول: مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ انھوں نے اسلام کے خلاف یا متضاد نظریات و افکار اور اعتقادات کا نہ صرف بر وقت ادراک کیا بلکہ اسلام کے اعتقادات پر انکی یلغار کا راستہ روکے رکھا، لیکن سائنس کی روز افزوں ترقی اور مغرب کی جانب سے چلنے والی لادینی اور الحادی ہوائیں جو کہ تقریباً آج سے تقریباً دو سو برس بیشتر عالم اسلام کا رخ کئے طوفان کی شکل اختیار کر گئیں، افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس قسم کی یلغار کا یا تو ٹھیک سے ادراک نہ کیا جا سکا یا اس کو روکنے کا صحیح لائحہ عمل طے نہ کیا جا سکا، انفرادی طور پر ان کے خلاف ہر کسی نے اپنی بساط کے مطابق تگ و دو کی لیکن اجتماعی طور پر دفاعی صورت حال دیکھنے میں آئی، جس کا نتیجہ مغرب کا فلسفہ لادینیت ہماری امت مسلمہ کے مختلف طبقات میں گھر کر گیا جس کا ہم روز ہی کسی نہ کسی صورت میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

دوم: اسلامی ممالک میں استعماری قوتوں کی مہربانیوں میں سے ایک سنہری دور کے عروج کا زوال اور صعود سے نزول کی ایک ایسی غیر یقینی کیفیت پیدا ہوگئی، جس میں گوناگوں مسائل نے جنم لیا اور احکام و قوانین اور قواعد و ضوابط کا اجتماعی تصور ختم ہو گیا اور مسائل کے استنباط و اجتہاد میں انفرادی عمل اجتماعی سوچ پر غالب آگیا اور یوں اجتہاد کی اصل روح مفقود ہو گئی۔

سوم: دینی مدارس و مکاتب کا کردار اسلامی عقائد کے تحفظ، دینی علوم کی ترویج اور مسلم طرزِ معاشرت کے بقاء کے حوالے سے کافی مؤثر رہا، انہی مدارس و مکاتب نے ان زاویوں سے نہ صرف مغربی یلغار کا مقابلہ کیا بلکہ مغربی استعماری اور الحادی فلسفہ کی بیخ کنی بھی کی، لیکن ان مدارس و مکاتب کی ترجیحات چونکہ انہی محوروں کے گرد گھومتی رہی تو مسلم معاشرے میں شرعی احکام و قوانین کی تدوین اور تطبیق کا عمل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اگر بالکل بھی جمود واقع نہ ہوا لیکن تطبیق و تنفید سست روی کا شکار ہو گئی۔ (20)

خلاصہ:

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے، جس میں دینی اور دنیاوی ہر طرح کے مسائل کی مکمل توضیح و تشریح موجود ہے، رسول کریم ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا لیکن ختم نبوت کے طفیل اللہ تعالی نے امت محمدیہ کو دین کی حفاظت اور جدید پیش آمدہ مسائل کی توضیح، تشریح، استنباط اور تطبیق کے لئے ایک ایسا نظام دیا جسکی مثال پیش کرنے سے تاریخ کے اوراق کورے ہیں، اس نظام کی بنیاد نزول قرآن اور ورود حدیث کے دور میں خود شارع ﷺ نے رکھی، اس کے بعد خیر القرون اور ائمہ مجتہدین نے ایک ایسا مربوط طریقہ کار

وضع کیا جس کی آج تک امت مسلمہ مقروض ہے، عصر حاضر کی بدلتی ہوئی ترجیحات کی وجہ سے نت نئے مسائل نے جنم لیا ہے جس کے استنباط واستخراج اور تطبیق کے لئے ہر مکتبہ فکر نے اپنی بساط کے مطابق انفرادی تگ ودو کی ہے لیکن ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جو ایک اجتماعی طریقہ کار کی روشنی میں مشترکہ اور متفقہ لائحہ عمل کی عکاس ہو یہ دور حاضر کا تقاضا اور ائمہ مجتہدین کا طریقہ بھی ہے۔

حواشی

(1) البزدوی، ابوالحسن علی بن محمد بن الحسین: اصول بزدوی، ج:4، ص:1134، مکتبۃ الصنائع۔قسطنطنیہ۔اشاعت:1307ھ۔

ایضا: ابن امیر الحاج، محمد بن محمد: التقریر والتعبیر، ج:2، ص:191، مکتبۃ المعارف۔ قاہرہ، 1316ھ۔

Al-ʾbezdwy, abū al-ʾhasan ʿlī ben muhamad ben al-ʾhusīn: Uṣūl Bazdūī, V: 4, P: 1134.
Ibn Amīr Al-ḥāǧ, muḥamad ben muḥamad: Al-taqrīr wāltʿbīr, V: 2, P:191.

(2) الشوکانی، محمد بن علی بن محمد: ارشاد الفحول، ص:250، مکتبۃ المنیریۃ۔القاہرہ، اشاعت:1347ھ۔

Al-Šūkānī, Muḥamad Ben ʿlī Ben Muḥamad: Iršād Al-Fuḥūl, P:250.

(3) الآمدی، ابوالحسن سیف الدین علی بن محمد: الاحکام فی اصول الاحکام، ج:3، ص:73، مکتبۃ المعارف۔القاہرہ، 1914ء۔

Al Aamdī, Abū Al-Ḥasan Saīf Al-Dīn ʿlī Ben Muḥamad: Al-Iḥkām Fī Uṣūl Al-Āḥkām, V: 3, P: 73.

(4) دہلوی، شاہ ولی اللہ: عقد الجید، ص:807، طبع کراچی، اشاعت:1379ھ۔

ایضا: ابن عابدین، علامہ شامی محمد امین بن عمر: رد المختار، ج:4، ص:336، مطبعہ: مکتبۃ مدبولی۔ قاہرہ، 1318ھ۔

ایضا: مدکور، محمد سلام: مناہج الاجتہاد، ص:337، دار النھضۃ العربیۃ۔مصر۔اشاعت:1960ء۔

Al Dehlwy, šāh ūlī Al-lah: ʿiqd Al-ǧīd, P: 807.
Ibn ʿābdīn, ʿllāmah Al-šāmī muḥamad Amīn Ben ʿumar: radd al-muḫtār, V: 4, P: 336.
Madkūr, Muḥamad Salām: Manāhiǧ Al-iǧtehād, P: 337.

(5) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اصول بزدوی، ج:2، ص:1145۔

ایضا: الاحکام فی اصول الاحکام، ج:2، ص:351-355۔

Uṣūl Bazdūī, V: 2, P: 1145.
Al-Iḥkām Fī Uṣūl Al-Āḥkām, V: 2, P: 351 - 355.

(6) خطیب بغدادی: تاریخ بغداد، ج:13، ص:268، مطبع السعادۃ۔القاہرہ، اشاعت:1331ھ۔

ایضا: ابن بزاز، محمد بن محمد بن شہاب کردی: مناقب امام اعظم ابی حنیفۃ، ص:123—124، دائرہ المعارف حیدر آباد۔دکن۔اشاعت:1321ھ۔

Al ḫṭīb Al Baġdādī: Tārīḫ Baġdād, V: 13, P: 268.
Ibn Bazāz, Muḥamad Ben Muḥamad Ben Šahāb Kurdī: Manāqeb Imāmi Aʿẓm Abī Ḥanīfah, P: 123 – 124.

(7) مکی، موفق بن احمد: مناقب امام اعظم، ج:1، ص:82، دائرہ المعارف حیدر آباد۔دکن۔اشاعت:1321ھ۔

Makkī, Mūffaq Ben Aḥmad: Manāqib Imām Aʿẓam, V: 1, P: 82 .

(8) ابو زہرۃ، الاستاذ محمد: مالک۔حیاتہ وعصرہ، ج:1، ص:194، دار الفکر العربی۔بیروت، اشاعت:1948ء۔

Abū Zuhrah, Al-Ustāḏ Muḥamad: Mālik – Ḥīātuhu Ū ʿaṣruhu, V: 1, P: 194.

(9) الشافعی، محمد بن ادریس: کتاب الام، مطبعۃ مصطفی الحلبی۔ قاہرۃ، اشاعت:1358ء۔

ایضا: الشافعی، محمد بن ادریس: الرسالۃ، دار المعرفۃ۔بیروت۔

ایضا: الشافعی، محمد بن ادریس: احکام القرآن، مکتبۃ المثنی–بغداد، اشاعت: 1951ء۔

Šāf'ī، Muḥamad Ben Idrīs: Kitāb Al-Umm.
Šāf'ī، Muḥamad Ben Idrīs: Al-Resālah.
Šāf'ī، Muḥamad Ben Idrīs: Aḥkāmu Al-Qur'ān.

(10) حدیث مرسل: وہ حدیث مبارک جس کا راوی نبی کریم ﷺ کا قول یا عمل تو بیان کر دیتا ہے، مگر سند روایت کو تابعی پر ختم کر دیتا ہے، کسی صحابی کا ذکر نہیں کرتا۔

(11) حدیث منقطع: حدیث منقطع کو اصطلاح میں موقوف بھی کہتے ہیں اس سے مراد وہ حدیث مبارک ہوتی ہے جس کا سلسلہ صحابی تک تو پہنچ جائے لیکن آگے یہ ثابت نہ ہو سکے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے یا نہیں۔

(12) ابو زہرۃ، الاستاذ محمد: احمد–حیاتہ وعصرہ، ج: 1، ص: 194، دار الفکر العربی-بیروت، اشاعت: 1948ء۔

Abū Zuhrah, Al-Ustād̲ Muḥamad: Aḥmd – Ḥiātuhu Ū 'aṣruhu, V: 1, P: 194.

(13) دوالبی، محمد معروف: المدخل الی اصول الفقہ، ص: 131، مطبعۃ سوریۃ–دمشق، اشاعت: 1955ء۔

Dwālbī, Muḥamad M'rūf: Al-Madẖal Ela Uṣūl Al-Fiqh, P: 131.

(14) ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر: اعلام الموقعین، ج: 1، ص: 22، مکتبۃ کلیات قاہرہ-مصر، اشاعت: 1968ء۔

Ibn Qaīm Al-Ǧaūzīah, Muḥamad Ben Abī Bakr: A'lām Al-Mūaqq'īn, V: 1, P: 22,

(15) ابن حنبل، امام احمد: المسند، دار المعارف، قاہرہ-مصر، اشاعت: 1949ء۔

Ibn Ḥanbal, Imām Aḥmad: Al-Musnad.

(16) ایضا: مقدمہ مسند امام احمد بن حنبل۔

(17) دہلوی، شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغۃ، ج: 1، ص: 149-161، مطبعۃ المنیریۃ قاہرہ–مصر، اشاعت: 1352ء۔

ایضا: حقانی، مفتی شاہ اورنگزیب: اسلام میں اجتہاد، القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ-نوشہرہ (خیبر پختونخوا)، اشاعت: محرم الحرام-1431ھ، مزید تفصیل کے لئے: صدیقی، محمد میاں: ائمہ اربعہ کے اصولِ اجتہاد–تقابلی مطالعہ-(پی–ایچ–ڈی مقالہ)، نگران: پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ خان، شعبہ علوم اسلامیہ-پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 1411ھ/1991ء۔

Al Dehlwy, Šāh Ūlī Al-Lah: Ḥuǧat Al-Lah Al-Bāleǧah, V: 1, P: 149 – 161.
Ḥaqānī, Muftī Šāh Aūrangzīb: Islām Mī Aiǧtehād.
Ṣeddīqī, Muḥamad Mīā: Ā'īmmah Arba'h Kī Ṣūli Iǧtihād.

(18) حدیث ضعیف سے مراد یہاں حدیث باطل اور منکر نہیں ہے جس کی راوی میں کوئی متہم راوی ہو، جو قابل حجت نہ ہو۔

(19) الراشدی، ابو عمار زاہد: پاکستان میں اجتماعی اجتہاد کی کوششوں پر ایک نظر، 31 مارچ 2005ء۔

مزید تفصیل کیلئے: الراشدی، زاہد: عصر حاضر میں اجتہاد (جدید فکری وعلمی مباحث)، ص: 137-142، الشریعہ اکادمی، گجرانوالہ، فروری 2008ء۔

Abū 'ammār Zāhid Al-Rāšdī: Pākestān Mī Iǧtemā'ī Iǧtihād Kī Kūšušū Par Aīk Naẓar, 31 March 2005.
Abū 'ammār Zāhid Al-Rāšdī: 'aṣr E Ḥāḍer Mī Iǧtihād, P: 137 – 142.

(20) الراشدی، ابو عمار زاہد: اجتماعی اجتہاد کی ضرورت اور اس کے تقاضے، روزنامہ پاکستان، 25 اگست 1996ء۔

مزید تفصیل کیلئے: الراشدی، ابو عمار زاہد: عصر حاضر میں اجتہاد (جدید فکری وعلمی مباحث)، ص: 143-150، الشریعہ اکادمی، گجرانوالہ، فروری 2008ء۔

Abū 'ammār Zāhid Al-Rāšdī: Iǧtemā'ī Iǧtihād Kī Kī Ḍrūrt Aūr As Kī Tqāḍī, Rūznāmh Pākstān, 25 Aug 1996.
Abū 'ammār Zāhid Al-Rāšdī: 'aṣr E Ḥāḍer Mī Iǧtihād, P: 143 – 150.